گوپال متل

دوراہا

لاہور بک شاپ لدھ

دوراہا

گوپال مِتل

لاہور بک شاپ نسبت روڈ لاہور

پہلا ایڈیشن

نکہتِ رائیگاں

نغمۂ عصر

حاصلِ سوز

گاہ مری نگاہِ تیز چیر گئی دلِ وجُود
گاہ اُلجھ کے رہ گئی اپنے توہمات میں

اقبالؔ

نکہتِ رائگاں

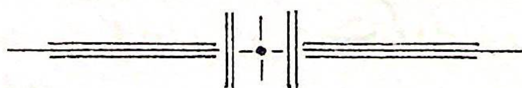
تحریک

موسمِ گُل ہے ہوا عطر فشاں ہے ساقی
دیکھ گلزار پہ جنّت کا گماں ہے ساقی
آج فطرت نے گُلستاں میں اُلٹ دی ہے نقاب
اوج پر قسمتِ صاحب نظراں ہے ساقی
وہ گھٹا جھُوم کے اُٹھی وہ جوانی برسی
آج دُنیا کی ہر اِک چیز جواں ہے ساقی

دیکھ کس شان سے میخانے کی جانب ہیں رواں
دیدنی سرخوشیٔ بادہ کشاں ہے ساقی
لا پلا بادہ گلگوں کہ غنیمت ہے یہ وقت
یہ جہاں ورنہ جہان گزراں ہے ساقی
شیخ کی ہرزہ سرائی کی نہ کر کچھ پروا
اس کی فردوس بس اک وہم و گماں ہے ساقی
اس کے اوہام کی تردید تو دشوار نہیں
بحث کا ہم کو مگر وقت کہاں ہے ساقی
اس کو حوروں کے تصوّر کے مزے لینے دے
اس کے اِس شغل میں کیا اپنا زیاں ہے ساقی

اس کے اِک قطرے پہ ہیں کوثر و تسنیم نثار
تیرے ہاتھوں میں جو یہ رطلِ گراں ہے ساقی

ایسے موسم میں حماقت ہے تمنائے بہشت
یہ زمیں غیرتِ گلزارِ جناں ہے ساقی



پُرسشِ احوال

تُم خوُب جانتی ہو فریبِ وفا کا حشر
پھر کیوں اسی فریب کو دُہرا رہی ہو تُم
کیوں گُنگُنا رہی ہو محبّت کی راگنی
کیوں میری آرزُوؤں کو برما رہی ہو تُم
کیوں داستانِ عہدِ گزشتہ کو چھیڑ کر
پیمانۂ شکیب کو چھلکا رہی ہو تُم

جس واقعے نے دِل کی بدل دی تھی کائنات

کیوں اُس کی یاد سے مجھے تڑپا رہی ہو تُم

تُم آج تک ہو میرے لئے موجبِ سُرور

ہر دم مرے خیال کو مہکا رہی ہو تُم

چاہوں بھی گر تو تم کو بھُلانا محال ہے

اس درجہ جان و دِل پہ مرے چھا رہی ہو تُم

پر تُم کو پا سکوں یہ کہاں ہیں مرے نصیب

باتوں سے کِس لئے مجھے بہلا رہی ہو تُم

کیوں پُوچھتی ہو مجھ سے مرے دِل کا ماجرا

میرے دلِ حزیں کی تمنّا رہی ہو تُم

کیوں پُوچھتی ہو کِس کے تصوّر میں مست ہُوں

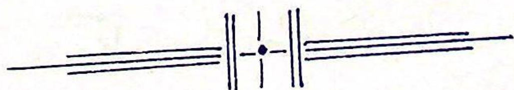
میرے تصوّرات کا کعبہ رہی ہو تُم

کیوں پُوچھتی ہو کِس لئے کھویا ہُوا سا ہُوں

میرے تخیّلات کی دُنیا رہی ہو تُم

کچھ تو کہو یہ پرسشِ احوال کِس لئے

کیا اپنی بے وفائی پہ پچھتا رہی ہو تُم



غزل

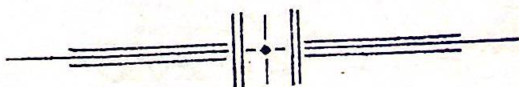
چاہی تھی داد ضبط کی اشک بہا گیا کوئی
آج غرورِ عشق کی شان گھٹا گیا کوئی

دیکھ! ہوا ہے مشکبار، دیکھ فضا ہے زرنگار
دیکھ نگاہِ انتظار، دیکھ وہ آگیا کوئی

تذکرہ وفا پہ یوں ناز سے مسکرا دیا
دِل میں اُمید و بیم کا حشر اُٹھا گیا کوئی

یہ وہ نشہ نہیں جسے ترشیٔ ہجر اُتار دے
بن کے سرورِ جاوداں رُوح پہ چھا گیا کوئی

عہدِ وفا کو اپنے پھر کر گیا آج استوار
شدتِ اضطراب کو اور بڑھا گیا کوئی



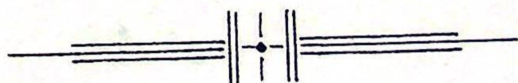
غزل

وہ سر جو راہِ وفا میں کٹائے جاتے ہیں
حریمِ حُسن کی زینت بنائے جاتے ہیں

یہ بارگاہِ محبّت ہے خانقاہ نہیں
یہاں پہ پھُول نہیں سر چڑھائے جاتے ہیں

جو اہلِ شوق ہیں ہر سدِ راہ کے باوصف
قدم کو جانبِ منزل بڑھائے جاتے ہیں

غلط کہ اُن کی جفاؤں کو بھُول بیٹھا ہُوں
مگر یہ سچ ہے کہ وہ یاد آئے جاتے ہیں
بلا کی شانِ محبّت کا حوصلہ دیکھو
دہانِ زخم سے بھی مُسکرائے جاتے ہیں



غزل

تجھ پہ تو مہربان ہے پیارے
یہ بھی اِک امتحان ہے پیارے
یہ ترا آستانِ جلوہ ہے
میرے دِل کی بھی شان ہے پیارے
کون کہتا ہے بے وفا تجھ کو
کِس کے مُنہ میں زبان ہے پیارے

عاشقی اور شکوۂ بیداد

یہ تجھے کیا گمان ہے پیارے
تیرے کُوچے کا واہ کیا کہنا

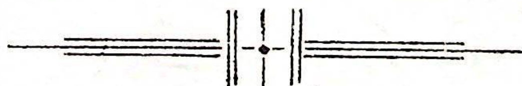
یہ زمیں آسمان ہے پیارے
ہے فسانہ اگر جہان تو عِشق

اِس فسانے کی جان ہے پیارے
تو سلامت رہے ترے دم سے

دِل کی دُنیا جوان ہے پیارے
ہائے وہ داستانِ غم جِس کی

خامشی ترجمان ہے پیارے

دِل کی بیتابیوں کا حال نہ پُوچھ
ایک آفت میں جان ہے پیارے
ہم بھی اُردو پہ ناز کرتے ہیں
یہ ہماری زبان ہے پیارے



غزل

دورِ فلک کے شکوے گلے روزگار کے
ہیں مشغلے یہی دلِ ناکردہ کار کے

یوں دل کو چھیڑ کر نگۂ ناز جھک گئی
چھپ جائے کوئی جیسے کسی کو پکار کے

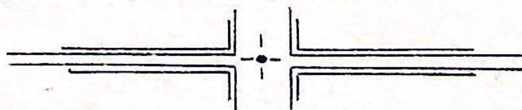
سینے کو اپنے اپنا گریباں بنا کہ ہم
قائل نہیں ہیں پیرہنِ تار تار کے

کیا کیجئے کشش ہے کچھ ایسی گناہ میں
مَیں ورنہ یُوں فریب میں آتا بہار کے

اِک دِل اور اس پہ حسرت و ارماں کا یہ ہجوم
کیا کیا کرم ہیں مجھ پہ مرے کردگار کے

ہم کو تو روزِ حشر کا بھی کچھ یقیں نہیں
کیا منتظر ہوں وعدۂ فردائے یار کے

کِس دل سے تیرا شکوۂ بیداد کر سکیں.
مارے ہُوئے ہیں ہم نگۂ سرمشار کے



شکستِ خودی

گردشِ دوراں کو کب خاطر میں لا سکتا ہوں میں
بارِ غم کیا ہے اسے ہنس کر اُٹھا سکتا ہوں میں

کھیل ہے سیلِ بلا سے کھیلنا میرے لئے
شدتِ آلام میں بھی مُسکرا سکتا ہوں میں

یورشِ آفات سے دل میرا گھبراتا نہیں

رنج میں بھی عیش کی تانیں اُڑا سکتا ہوں میں

فطرتِ محکم میں میری آ نہیں سکتی لچک

سر کٹا سکتا ہوں لیکن کب جُھکا سکتا ہوں میں

موت کیا ہے لفظِ مہمل کے سوا کچھ بھی نہیں

تو اگر چاہے تو مر کر بھی دکھا سکتا ہوں میں

ناموافق ہے جو یہ دُنیا تو کچھ پروا نہیں

اِک نئی دُنیا تخیل سے بنا سکتا ہوں میں

اِک جہاں قائل ہے میری رفعتِ تخیل کا

آسمانوں تک زمینوں کو اُٹھا سکتا ہوں میں

وسعتیں مجھ سے مرے قلبِ پریشاں کی نہ پُوچھ
ایک طُوفاں کی طرح دُنیا پہ چھا سکتا ہُوں میں

لیکن اے جانِ تمنا اے مرے دل کی نشاط
آہ اس رازِ عیاں کو کب چھپا سکتا ہُوں میں

تجھ سے اُلفت تجھ سے حد درجہ محبّت ہے مجھے
میں جو چاہوں بھی تو کب تجھ کو بھُلا سکتا ہُوں میں

تیرے آگے ادعا خوُد داریوں کا ہے فضوُل
ناز تو کیا جور بھی تیرے اُٹھا سکتا ہُوں میں

رُوح میری تیرے اندازِ تکلّم پر نثار
سچ بتا تجھ کو بھی کیا اپنا بنا سکتا ہُوں میں

کیا کبھی ہوگا ترے دِل پر بھی اُلفت کا اثر
کیا ترے دِل پر بھی پیاری فتح پا سکتا ہوں میں
زندگی افروز ہوگا یہ یقیں میرے لئے
اس یقیں پر اپنے جان و دِل لُٹا سکتا ہوں میں



ایک نصیحت کے جواب میں

مری نظروں میں ہیں قصّے وفا کی جانستانی کے
مرا دِل آشنا ہے سوزِ غمہائے نہانی سے
سمجھتا ہُوں کہ اُلفت قاطعِ اعمار ہوتی ہے
مداوا جس کا ناممکن ہے وہ آزار ہوتی ہے
سمجھتا ہُوں مرض ہوتا ہے اس کا لاعلاج اکثر
لیا کرتی ہے یہ حُسن و جوانی کا خراج اکثر
مگر پھر بھی مرا دِل سوزِ الفت سے نہیں خائف
میں ہرگز ناوکِ دِلدوزِ اُلفت سے نہیں خائف

گدازِ عاشقی کی جاں ستانی بھی گوارا ہے

گوارا ہے وداعِ زندگانی بھی گوارا ہے

جوانی گر مری ناشاد ہوتی ہے تو ہو جائے

متاعِ زیست اگر برباد ہوتی ہے تو ہو جائے

مرے سر پر اگر کوہِ الم ٹوٹے تو کیا غم ہے

وفا گر زخم دیتی ہے تو اس کا آپ مرہم ہے

اگر یہ غم بھی ہے تو اس پہ قرباں شادمانی ہے

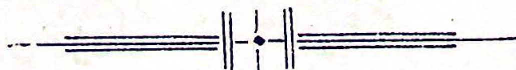
نہ ہو یہ آگ سینے میں تو بے مصرف جوانی ہے



دریوزۂ رہبری

مُسکراہٹ ہے لبوں پر آنکھ شرمائی ہُوئی
بے خُودی سی نُور کی دُنیا پہ ہے چھائی ہُوئی
میری نامحرم نگاہوں سے جھجکنا بار بار
پھر بھی دزدیدہ نظر سے مجھ کو تکنا بار بار
ڈھب لگاوٹ کا یہ کیسا ہے یہ کیا انداز ہے؟
سچ بتا کیا تیرا دل بھی وقفِ سوز و ساز ہے؟

کیا نیازِ عشق میرا کارگر ہونے کو ہے
تیرے دل پہ بھی محبّت کا اثر ہونے کو ہے
کیا نگاہوں نے تری سمجھا کسی قابل مجھے
یہ اگر سچ ہے تو سب کچھ ہو گیا حاصل مجھے
گردشِ دوراں کی اب مجھ کو کوئی پروا نہیں
اب مجھے ناکامیٔ تقدیر کا شکوہ نہیں
حاصلِ صد زندگی یہ ایک لمحہ ہے مجھے
اب دوامی تلخ کامی بھی گوارا ہے مجھے



دریوزۂ رہبری

مُسکراہٹ ہے لبوں پر آنکھ شرمائی ہُوئی
بے خُودی سی نُور کی دُنیا پہ ہے چھائی ہُوئی

میری نامحرم نگاہوں سے جھجکنا بار بار
پھر بھی دزدیدہ نظر سے مجھ کو تکنا بار بار

ڈھب لگاوٹ کا یہ کیسا ہے یہ کیا انداز ہے؟
سچ بتا کیا تیرا دل بھی وقفِ سوز و ساز ہے؟

کیا نیازِ عشق میرا کارگر ہونے کو ہے

تیرے دِل پہ بھی محبّت کا اثر ہونے کو ہے

کیا نگاہوں نے تری سمجھا کسی قابل مجھے

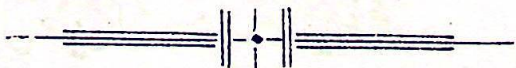
یہ اگر سچ ہے تو سب کچھ ہو گیا حاصل مجھے

گردشِ دوراں کی اب مجھ کو کوئی پروا نہیں

اب مجھے ناکامیٔ تقدیر کا شکوہ نہیں

حاصلِ صد زندگی یہ ایک لمحہ ہے مجھے

اب دوامی تلخ کامی بھی گوارا ہے مجھے



غزل

اب کیوں لگے ہو رحمتِ حق کو پکارنے
آئے تھے تُم تو خود مری ہستی سنوارنے

یہ رُوئے دلنواز یہ گردِ فسردگی!
کیا کیا ستم کیئے ہیں غمِ روزگار نے

تُم کو دلِ حزیں کی تسلی سے کیا غرض
اک بوجھ تُم تو آئے تھے سر سے اُتارنے

کیوں دِل سی شے کو جیت کے نازاں ہو اس قدر
ہم تو متاعِ جاں کو بھی آئے تھے ہارنے
جیسے کھلا ہی جائے گی غنچۂ اُمید کا
کیا کیا دیئے فریب نسیمِ بہار نے
تو خود بھی جن کی کوئی تلافی نہ کر سکے
رنج اس قدر دیئے ہیں ترے انتظار نے



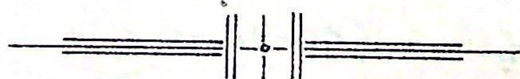
غزل

زباں رقص میں ہے اور جھُومتا ہُوں میں
کہ داستانِ محبّت سُنا رہا ہُوں میں

نہ پُوچھ مجھ سے مری بے خودی کا افسانہ
کِسی کی مست نگاہی کا ماجرا ہُوں میں

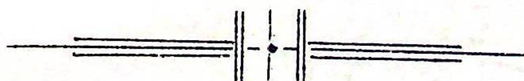
کہاں کا ضبطِ محبت، کہاں کی تاثیریں
تسلیاں دلِ مضطر کو دے رہا ہُوں میں

پھر ایک شعلۂ پُر پیچ و تاب بھڑکے گا!
کہ چند تنکوں کو ترتیب دے رہا ہُوں میں
تمُہارے عشق میں مِٹ کر تمُہیں دکھا دُونگا
نگاہِ ناز کا ایما سمجھ گیا ہُوں میں



مفلسی اور عاشقانہ مزاج

دینے والے یہ کیا دیا تُو نے
میری سوتی ہُوئی اُمنگوں کو
آج کیوں گُدگُدا دیا تُو نے



طیورِ آوارہ

دماغ و دل پر لطیف سی بیخودی نشہ بن کے چھا رہی ہے
نہ چھیڑ اس وقت مجھ کو ہمدم کسی کی آواز آ رہی ہے

کہاں کی شبنم کہاں کے موتی جو مجھ سے پوچھے کوئی تو فطرت
زمین والوں کی پستیوں پر فلک سے آنسو بہا رہی ہے

ترانۂ غم نہ چھیڑ بلبل یہاں کوئی ہم نفس نہیں ہے
یہاں تو بیگانگی ہے اتنی کہ ہر کلی مسکرا رہی ہے



مطمئن کیوں ہے قفس کی تیلیوں کو توڑ کر
یہ نشیمن بھی تو آخر حائلِ پرواز ہے

اور کچھ تدبیر کر اپنی رہائی کے لئے
فائدہ کیا اِس فغاں اس شورِ بے حاصل میں ہے

میں طوفانوں کا خوگر ہوں مجھے منجدھار میں لے چل
ڈرا سکتی نہیں ڈوبے ہوؤں کی داستاں مجھ کو

زندگی نام ہے احساس کی بیداری کا
اور حساس کا دُنیا میں ٹھکانہ بھی نہیں

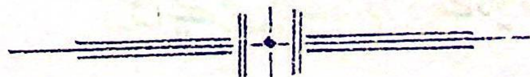
میری تاریکیٔ قسمت کی قسم ہے تجھکو
اب تو دُنیائے محبّت میں اُجالا کردے

فصلِ گل ہے چاندنی ہے اب نہ یاد آنا مجھے
ورنہ ایسے میں بنا ڈالو گے دیوانہ مجھے

کیا سمجھتا تھا نظر آنے لگا ہے کیا مجھے
چشمِ بینا نے کہیں کا بھی نہیں رکھا مجھے

مجھ سے پہلے کوئی شاید اتنا دیوانہ نہ تھا
غور سے تکتا ہے ہر اک ذرۂ صحرا مجھے

دیکھ چشمِ یار مجھ کو اِن نگاہوں سے نہ دیکھ
دے چکی ہیں یہ نگاہیں بارہا دھوکا مجھے



نغمۂ عصر

مسافر!

اُٹھا رختِ سفر اپنا کہ وقتِ نازک آ پہنچا
مسافر! اب نہیں ہے میزبانی کا ہمیں یارا
یہی لازم ہے تجھ کو کُوچ کی کر جلد تیاری
کہ اب برداشت کی حد سے فزوں ہے اپنی ناداری
نہ ایسا ہو کہ تجھ کو بھاگنا دشوار ہو جائے
ہماری مفلسی تیرے لئے آزار ہو جائے

مسافرؔ مفلسی کے سائے میں پلتی ہے خونخواری

جلو میں اس کے دامن تھام کر چلتی ہے خونخواری

بنا دیتی ہے یہ کمبخت رہزن میزبانوں کو

چبا جاتے ہیں بھوکے غیر کیا اکثر یگانوں کو

مسافرؔ مصلحت سے کام لے اب چھوڑ یہ بستی

خدا جانے ہماری مفلسی کیا رنگ لائے گی

سکوں کا دور اب اس سرزمیں سے جانیوالا ہے

ہوائیں کہہ رہی ہیں کوئی طوفاں آنے والا ہے



ترانہ

قدم اپنا آگے بڑھائے چلا جا
علم سرکشی کا اُٹھائے چلا جا
ترے ہر نفس میں تپش زندگی کی
اسی دُھن میں تانیں اُڑائے چلا جا

ہوا کیا مخالف اگر ہے زمانہ

زمانے کو آنکھیں دکھائے چلا جا

تری راہ میں جو بھی حائل ہو اس کو

حقارت سے ٹھوکر لگائے چلا جا

عداوت کو بیہودہ بن کر کچل دے

ہر اک گام پر حشر ڈھائے چلا جا

محبّت تری راہ روکے گی اکثر

محبّت سے دامن بچائے چلا جا

قدامت ہے فرسودگی کی علامت

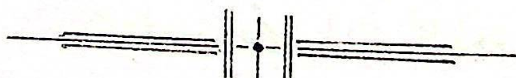
نقوشِ قدامت مٹائے چلا جا

امارت ہے افلاس و نکبت کا موجب

امارت کی بُنیاد ڈھائے چلا جا

کوئی دم کی مہمان ہے شہریاری

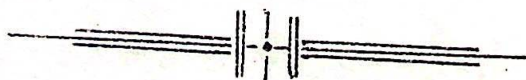
غُلاموں کو سرکش بنائے چلا جا



جُرأتِ والہانہ

زباں پر ہے جس کی خُودی کا ترانہ
اسی کی ہے دُنیا اسی کا زمانہ
بناتی ہے کوہِ گراں کو یہ رائی
بڑی چیز ہے جُرأتِ والہانہ
بڑی شے ہے دُنیا میں خود اعتمادی
یہی اک حقیقت ہے باقی فسانہ

ترا دِل جو روشن ہے سوزِ یقیں سے
تو پُوجے گی دُنیا ترا آستانہ
الاپے چلا جا، الاپے چلا جا
دِل افروز ہے سرکشی کا ترانہ



یورہائی نس!

کہاں بے کیف فریادیں کہاں عشرت کی شہنائی
عجب کیا ہے نہ حاصل ہو اگر ان کو پزیرائی!
جہاں آٹھوں پہر عیش و طرب کے زمزمے گونجیں
وہاں محکوم کے احوالِ غم کی کیوں ہو شنوائی
مخل ہو داستانِ بدنصیبی گو مسرت میں
بجا ہے اس کو سمجھا جائے گر ہنگامہ آرائی

جنہیں جرأت ہو بزمِ عیش میں فریاد کرنے کی
سیاست کا تقاضا ہے سمجھنا اُن کو سودائی

جو اس پر معترض ہوتے ہیں باغی بھی ہیں سرکش بھی
مناسب ہے کہ سر ان کا کچل دے شانِ دارائی

یہ سب سچ تھا مگر اب طور ہی دیگر ہیں دنیا کے
زمانہ لے رہا ہے اِن دنوں اک تازہ انگڑائی

تری عشرت کی بُنیادیں تھیں محکم جن عقائد پر
وہ بن کر رہ گئے عہدِ کہن کی قصہ آرائی

کسے تسلیم ہے پیدائیشی حق حکمرانی کا
ودیعت ہو چکی جمہور کو اندازِ دارائی

منظّم ہو رہی ہیں کُشتگانِ جور کی فوجیں

بس اب ہونیکو ہے مظلوم و ظالم میں صف آرائی

ہُوا کرتا ہے عبرتناک ان کا انتقام اکثر

عطا ہوتی ہے مظلوموں کو جب تاب و توانائی

حقوقِ زندگی کا جب اسے احساس ہوتا ہے

ملا دیتی ہے مٹی میں رعایا شانِ دارائی



میری شاعری

نہ دے دادِ سخن مجھ کو نہ کر اے دوست شرمندہ
کچھ ایسی فخر کے قابل نہیں تخیل تابندہ
میں اپنے نطق کے اعجاز سے آگاہ ہوں خود بھی
میں اپنے فکر کی پرواز سے آگاہ ہوں خود بھی

مجھے احساس ہے جانِ ادب ہے شاعری میری
فقط مجموعۂ الفاظ کب ہے شاعری میری
پھڑک جاتا ہے میرے شعر پر ہر نوجواں کا دِل
دھڑکتا ہے مرے ہر لفظ میں ہندوستاں کا دِل
مرے افکار کی جدّت دِلوں پہ حشر ڈھاتی ہے
مجھے صُورت گری جذباتِ دل کی خوُب آتی ہے
مری تحریر کا ہر لفظ تصویرِ معانی ہے
مَیں نازاں ہُوں کہ ہر اک شعر میرا جاودانی ہے
مگر اے دوست اب موقع نہیں باتیں بنانے کا
کہ وقت آیا ہے جاں پر کھیلنے کا سر کٹانے کا

نہیں تحقیر کچھ مدِ نظر عادو نوائی کی
ضرورت ہے مگر بھارت کو جرأت آزمائی کی

بہت جی چاہتا ہے سر بکف میدان میں آؤں
قلم کو توڑ دوں خنجر بکف میدان میں آؤں

مگر ماحول نے شل کر دیئے ہیں دست و پا میرے
مری مجبوریوں نے کر دیئے بے حس قویٰ میرے

بہت بے چین رکھتے ہیں اگرچہ ولولے دل کے
مگر سینے میں رہ جاتے ہیں گھٹ کر حوصلے دل کے

اگرچہ آرزو رکھتا ہوں دل میں سرفروشی کی
مگر مجبور ہوں عادت نہیں ہے سخت کوشی کی

زباں پر گو جہادِ حرّیت کا نام باقی ہے

مگر دِل میں کہاں اب جرأتِ اقدام باقی ہے

بس اِک لے دے کے دِل میں جذبۂ اخلاص رکھتا ہوں

ابھی سینے میں روشن شعلۂ احساس رکھتا ہوں

یہی احساس کر دیتا مجبورِ نوا مجھکو

نہیں اس کے سوا کچھ شاعری سے واسطہ مجھ کو

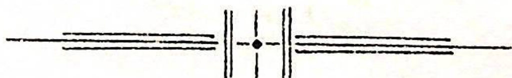
کہ میرا سوزِ دل جذبات کو اور دل کو بڑھا دے

مرا نغمہ جہادِ حرّیت کی آگ بھڑکا دے

تمنا ہے کہ بے مصرف نہ جائے زندگی میری

جگا دے خواب سے ہندوستاں کو شاعری میری

تمنا ہے کہ میرا ہر نفس تلوار ہو جائے
مرے نغموں سے روحِ سرکشی بیدار ہو جائے



لیڈر یا ایکٹر

اگرچہ رہبروں کا ہند میں موجود ہے لشکر
سیاست کے ہیں جتنے بھی رموز ان کو ہیں سب ازبر
ہر اک لفظ اُن کی تحریروں کا تصویرِ معانی ہے
نمایاں اُن کی تقریروں سے دریا کی روانی ہے
تکلم ناز کرتا ہے خود ان جادو بیانوں پر
بٹھا دیں وہ اگر چاہیں زمیں کو آسمانوں پر

وہ جب اسٹیج پہ آتے ہیں خوب آنسو بہاتے ہیں
فسانے قوم کی پستی کے رو رو کر سناتے ہیں

نہیں کچھ لیڈری کا اپنی چمکانا محال اُن کو
کہ حاصل ہے بہت تقریر کے فن میں کمال اُن کو

مگر اے وائے کام آتی نہیں ہیں اُن کی تقریریں
نہ ہو جوشِ عمل کامل تو ہیں بے سُود تدبیریں

یہ سب شہرت طلب ہیں کام کوئی کر نہیں سکتے
یہ بُزدِل ہیں کبھی راہِ وفا میں مر نہیں سکتے

قیادت اِن کی تقریروں سے آگے جا نہیں سکتی
قیامت تک لہو کو قوم کے گرما نہیں سکتی

زباں پہ اِن کی گرچہ قوم کا افسانہ رہتا ہے

مگر دِل لذّتِ احساس سے بیگانہ رہتا ہے

بظاہر درد سے ملّت کے معمُور اِن کا سینہ ہے

حقیقت میں مگر اغراض ذاتی کا دفینہ ہے

انہیں بے چین کرتی ہی نہیں ملّت کی پامالی

کہ دل اِن کا ہے یکسر دولتِ اخلاص سے خالی

یہ سب دجال ہیں، مکرو ریا کے سَب یہ پیکر ہیں

حقیقت ہے کہ یہ لیڈر نہیں ہیں بلکہ ایکٹر ہیں



لیڈر

اِک طرف دعوےٰ کہ خادم ہُوں گروہِ عام کا
اِک طرف سودا تجھے خوشنودیٔ حکام کا
اِک طرف غم میں رعایا کے ہے تُو با چشمِ تر
اِک طرف ہے حکمراں کی جیب پہ تیری نظر
اِک طرف ہے ادعائے سرکشی با صد غرور
اِک طرف نذرِ عقیدت شہریاری کے حضور

حرّیت کے تذکرے پُرجوش تقریریں بھی ہیں!
ساتھ ساتھ اس کے حصولِ زر کی تدبیریں بھی ہیں
اس دو رنگی کو نبھا دینا بڑا ہی کام ہے
اپنی عزّت کو بچا لینا ترا ہی کام ہے!



مُنافق

یہ کیوں وطن کا زباں پہ تری فسانہ ہے!

اور اتحاد کا لب پہ ترے ترانہ ہے

ترے بھی دِل میں گزر ہے وطن پرستی کا

نہیں نہیں ہمیں اِس کا یقیں نہیں آتا

تُجھی نے فرقہ پرستی کی ابتدا کی ہے

تمام عُمر اِسی آگ کو ہوا دی ہے

تُو اتحاد و اُخوّت کے گیت گائے گا

تُو اور قوم کی بگڑی ہُوئی بنائے گا

نہیں فریب میں تیرے ہم آ نہیں سکتے

یقین اب تیری باتوں پہ لا نہیں سکتے



ایک سوال

اے کہ حاصل تجھ کو ہر ممکن تن آسانی ہے آج
تیرے گھر میں مال و دولت کی فراوانی ہے آج
آشنا محرومیوں کے غم سے تیرا دل نہیں
زندگی کی کون سی راحت تجھے حاصل نہیں
بادۂ عشرت کا ہاتھوں میں ہے ہر دم ساتگیں
یہ ترے ایمان کی قیمت ہے اور کچھ کم نہیں

مطمئن ہے کس قدر تو بیچ کر اپنا ضمیر
اب تو اہلِ دل بھی آتے ہیں نظر تجھ کو حقیر

چھیڑتا ہے گر کوئی پستی کی تیری داستان
رشک کا ہوتا ہے اس کی بات پر تجھ کو گماں

یہ تو سب سچ ہے مگر میں پوچھتا ہوں اک سوال
کیا کبھی اس وقت کا بھی تجھ کو آتا ہے خیال

جب نظامِ کہنۂ عالم کی اُلٹے گی بساط
جب مرے ہندوستاں میں آئے گا دورِ نشاط

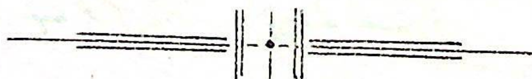
جب وطن میں جشنِ آزادی منایا جائے گا
حریّت کا نغمۂ جاں بخش گایا جائے گا

دردمندانِ وطن کی جب بر آئے گی مراد

جب اُٹھیں گے سرفروشانِ وطن بہرِ جہاد

گر کبھی اس وقت کا بھی تُجھ کو آتا ہے خیال

سچ بتا اس وقت کیا ہوتا ہے تیرے دِل کا حال



انقلاب

وہ آرہا ہے جوانانِ قوم کا لشکر !

ہر اک کے وردِ زباں انقلاب زندہ باد

بنی ہے خرمنِ بیداد کے لئے بجلی

ستم کشوں کی فغاں انقلاب زندہ باد

بھجن سے کام نہ اس کو دُعا سے کچُھ مطلب

ہے بے نوا کی اذاں انقلاب زندہ باد

حاصل سوز

دھوکے

رنگینیٔ ہوس کا وفا نام رکھ دیا
خود داریٔ وفا کا جفا نام رکھ دیا

اِنسان کی جو بات سمجھ میں نہ آسکی
انساں نے اس کا حق کی رضا نام رکھ دیا

خوُدغرضیوں کے سائے میں پاتی ہے پرورش
اُلفت کہ جس کا صدق و صفا نام رکھ دیا

بے مہریِ حبیب کا مُشکل تھا اعتراف

یاروں نے اُس کا ناز و ادا نام رکھ دیا

فطرت میں آدمی کی ہے مبہم سا ایک خوف

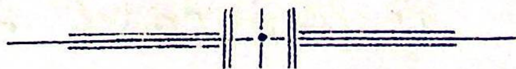
اِس خوف کا کسی نے خُدا نام رکھ دیا

یہ رُوح کیا ہے جِسم کا عکسِ لطیف ہے

یہ اور بات ہے کہ جُدا نام رکھ دیا

مفلس کو اہلِ زر نے بھی کیا کیا دیئے فریب

اپنی جفا کا حُکمِ خُدا نام رکھ دیا



ساقی!

بہار آئی ہے رُوحِ سرخوشی بیدار ہے ساقی
نشاطِ رنگ سے سارا چمن سرشار ہے ساقی
کچھ اِس دریا دلی سے آسماں نے نُور برسایا
کہ خاکِ تیرہ کا ہر ذرہ پُر انوار ہے ساقی
یہ فطرت کی طرف سے اِذن ہے جشنِ مسرت کا
اِس امر واقعی سے کب مجھے انکار ہے ساقی

نہ دعوٰئے زہد کوشی کا، نہ پینے سے مجھے نفرت

پر اپنی نارسائی کا مجھے اقرار ہے ساقی

کہاں کا شغلِ بادہ زندگی کرنا بھی مشکل ہے

ترے بادہ کشوں پر یورشِ ادبار ہے ساقی

قیامت ہے کہ پینے کا سلیقہ تک نہیں جن کو

انہی کا رُخ فروغِ بادہ سے گلنار ہے ساقی

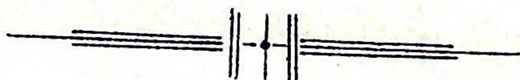
یہاں بھی اہلِ زر کو امتیازِ خاص حاصل ہے

زمینِ میکدہ کیوں اتنی ناہموار ہے ساقی

غلط بخشی نے تیری کر دیا ہے مشتعل شاید

ہجومِ تشنگاں آمادۂ پیکار ہے ساقی

نہ ایسا ہو کوئی اِس میکدے کو خاک کر ڈالے
نفسِ تشنہ لبوں کا برقِ آتش بار ہے ساقی
نہ دیکھ انگڑائیوں کو میری اندازِ تمسخر سے
کہ میری خستگی اِک فتنۂ بیدار ہے ساقی



بیتابی

کیا کہوں اے جانِ محبوبی کہ کیوں بیتاب ہُوں

کِس لئے حالانکہ تیرے پاس ہُوں بیتاب ہُوں

دِلرُبائی سے تری اِنکار ہو سکتا نہیں!

تیرے احسانات کا اظہار ہو سکتا نہیں

میں سمجھتا ہُوں جو ہے راحت ترے آغوش میں

دِل مرا دھڑکا ہے اِک مُدت ترے آغوش میں

تیرا لُطفِ خاص جینے کا سہارا ہے مجھے

تیرے دم سے زلیست کی تلخی گوارا ہے مجھے

ہے فقط دم سے ترے سوز و گداز زندگی

تیرا اعجازِ وفا ہے نغمہ پیرائی مری

تیرے الطاف و کرم پہ جان و دل صدقے مگر

کیا کروں میری حقائق پر بھی رہتی ہے نظر

مے بھی ہے آنکھوں میں تیری اذنِ مے نوشی بھی ہے

اور مجھ کو آرزوئے خود فراموشی بھی ہے

چاہتا ہوں دیکھ کر اِس رُوئے دلآرام کو

بھول جاؤں میں جہانِ تیرہ کے آلام کو

آہ لیکن بر نہیں آتی مرے دِل کی مُراد
جذبۂ غیرت کو کہ سکتا نہیں میں خیر باد

ننگِ محکومی کو خاموشی سے سہہ سکتا ہے کون
مرد ہو کر ٹھوکروں کی زد پہ رہ سکتا ہے کون

لُٹ رہا ہو جب وطن کی آبروؤں کا سُہاگ
کون گا سکتا ہے پیاری عشرت و مستی کے راگ

بزُدِلی کا داغ ماتھے پر لگا سکتا ہے کون
ظُلم سہہ کر عافیت کی تان اُڑا سکتا ہے کون

دلبری تیری مسلّم عِشق میرا لازوال
غم ہی کچھ ایسے ہیں جنکو بھُول جانا ہے محال

گونجتی ہے ہم نفس کانوں میں اکثر ناگہاں

بھوک سے ماری ہوئی مخلوق کی آہ و فغاں

نالۂ مظلوم کی مدھم سی آتی ہے صدا

اور ہو جاتا ہے اِک محشر مرے دِل میں بپا

کیا کہوں ہوتا ہے کیا عالم مرے احساس کا

دیکھ کر فاقہ زدہ انساں کا مُنہ اُترا ہُوا

اور پھر ذاتی مصائب کا ہجوم بے شمار

دامنِ صبر و سکوں کیوں ہو نہ جائے تار تار

یہ مصائب کر ہی دیتے ہیں سکونِ دل تباہ

چھوڑ جاتے ہیں لطیف احساس تنہا مجھ کو آہ

بادۂ عشرت کا گر پڑتا ہے ہاتھوں سے سبو

کھنچ کے آجاتا ہے آنکھوں میں مرے دل کا لہو

آنچ سی محسوس کرتے ہیں مرے قلب و جگر

قبضہ پالیتی ہے اک وحشت مرے اعصاب پر

ہاتھ بڑھتے ہیں جنوں میں تختِ شاہی کی طرف

تختِ شاہی کیا ہے اکثر عرش و کرسی کی طرف



فریبِ شادمانی

گھٹائیں غم کی چھا جاتی ہیں جب قلبِ پریشاں پہ
جب اپنی زندگی تنگ بار ہو جاتی ہے اِنساں پہ
بشر محصور جب ہوتا ہے نرغے میں بلاؤں کے
جگر سہتا ہے جب چرکے یگانوں کی جفاؤں کے
شبِ غم میں اُمیدوں کا دِیا جب جھلملاتا ہے
تو اِس احساس سے اِنسان کا دِل کانپ جاتا ہے

کہ وہ تنہا رہین سوزِ غمہائے نہانی ہے

جہاں میں کارفرما ورنہ ہر سُو شادمانی ہے

مگر نورِ بصیرت گر عطا ہو چشمِ گریاں کو

کوئی دیکھے اگر گہری نظر سے بزمِ امکاں کو

نظر آئے گی ہر اک رُوح بارِ غم سے آزردہ

ہر اک چہرہ وفورِ دردِ ناکامی سے افسردہ

نظر آئے گی رنج و غم کی اس درجہ فراوانی

کہ مہمل بن کے رہ جائے گی اپنی گریہ سامانی



دوراہا

دوراہے پہ ہے کارواں زندگی کا

اِدھر عیش کی بزم آراستہ ہے اُدھر فرض کا پُر خطر راستہ ہے
اِدھر فاقہ مستوں کی آہ و بکا ہے رباب مُسرت اِدھر نغمہ زا ہے
اُدھر سر فروشی اِدھر دلنوازی اِدھر کچھ حسیں اُسطرف چند غازی
اِدھر کامرانی کی دلکش اُمیدیں اُدھر دلشکن رُوح فرسا شکستیں
اِدھر کیف و مستی ادھر تلخئ غم اِدھر قہقہے اُس طرف چشم پُرنم

مَیں اے دِل قدم کس طرف کو بڑھاؤں — مَیں یہ راہ پکڑوں کہ اُس سمت جاؤں

دور راہے پہ ہے کارواں زندگی کا

اِدھر ہے غلامی کا بے رُوح نغمہ — اُدھر جانفزا احدّیت کا ترانہ

اِدھر بے حسی سے ہر اک ظلم سہنا — اُدھر دل میں جو کچھ ہو بیباک کہنا

اِدھر پائے دولت پہ سر کو جھکانا — اُدھر شہریاری سے پنجہ لڑانا

اِدھر خوار ہونا خود اپنی نظر میں — اُدھر نشۂ سرکشی کی ترنگیں

اِدھر مال و دولت اُدھر جنسِ ایماں — ہے اِن میں سے کیا تیری راحت کا ساماں

مَیں اے دل کسے اپنا مقصد بناؤں — مَیں یہ راہ پکڑوں کہ اس سمت جاؤں

دور راہے پہ ہے کارواں زندگی کا

غریبی کا اپنے کو خوگر بناؤں — کہ فطرت کا اپنی گلا گھونٹ ڈالوں

سنبھالے رکھوں حق پرستی کا پرچم
کہ میں بھی کروں مال و دولت فراہم

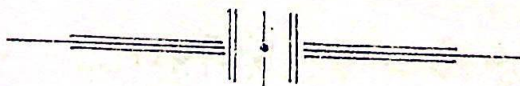
اسے پاؤں پر لکشمی کے جھکا دوں
کہ سر اپنا راہِ وطن میں کٹا دوں

اسی دھن تانیں اُڑاتا چلوں میں
کہ خواب آفریں گیت گانے لگوں میں

وہ بزمِ طرب سے ہُوا پھر اشارہ
سرِ دار اُدھر وہ کسی نے پکارا

میں اے دل کسے بڑھ کے لبیک کہہ دوں
میں یہ راہ پکڑوں کہ اس سمت جاؤں

دو راہے پہ ہے کارواں زندگی کا



ایک حسن فروش لڑکی کے نام

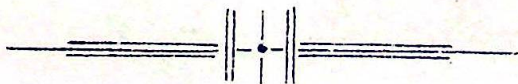
مری جاں گو تجھے دِل سے بھلایا جا نہیں سکتا
مگر یہ بات میں اپنی زباں پر لا نہیں سکتا
مَیں تجھ کو چاہتا ہوں والہانہ پیار کرتا ہوں
مَیں گانا چاہتا ہوں پر یہ نغمہ گا نہیں سکتا
تجھے اپنا بنانا موجبِ راحت سمجھ کر بھی!
تجھے اپنا بنا لوں یہ تصوّر لا نہیں سکتا

بنا سکتا ہُوں شب کو اپنے بستر کی تجھے زینت
مگر دِن میں ترے قصرِ حسیں تک آ نہیں سکتا
ہُوا ہے بارہا احساس مجھ کو اِس حقیقت کا
ترے نزدیک رہ کر بھی میں تُجھ کو پا نہیں سکتا
مرے دستِ ہوس کی دسترس ہے جسم تک تیرے
میں تیری رُوح کی گہرائیوں تک جا نہیں سکتا
مَیں تیرے رس بھرے ہونٹوں کو پیاری چُوم سکتا ہُوں
مگر مَیں تیرے دِل پر آہ قبضہ پا نہیں سکتا
ترے دِل کی تمنّا بھی کرُوں تو کِس بھروسے پر
مَیں خود درگاہ میں تیری یہ تحفہ لا نہیں سکتا

مری مجبوریوں کو بھی بہت کچھ دخل ہے اِس میں
تجھی کو موردِ الزام مَیں ٹھہرا نہیں سکتا

مَیں تجھ سے بڑھ کے اپنی آبرو کو پیار کرتا ہوں
مَیں اپنے عزّت و ناموس کو ٹھکرا نہیں سکتا

ترے ماحول کی پستی کا طعنہ دُوں تجھے کیوں کر
مَیں خود ماحول سے اپنے رہائی پا نہیں سکتا



انیائے

عِلم جُھکے زر کی چوکھٹ پر اپنا مان گھٹائے
عاقل اُس کی کرے چاکری جاہل حکم چلائے
کِتنا گھور انیائے
تُجھ بِن یہ انیائے ایشور
کِس سے دیکھا جائے

سُندر لڑکی جسم کو بیچے اور مجُرم بن جائے

بیچے اپنی رُوح کو پنڈت اور گیانی کہلائے

کِتنا گھور انیائے

تُجھ بِن یہ انیائے ایشور

کِس سے دیکھا جائے

شاعر جِس کا اوجِ تخیّل عرش کو بھی شرمائے

شان میں جاہل راجا کی دن رات قصیدے گائے

کِتنا گھور انیائے

تُجھ بِن یہ انیائے ایشور

کِس سے دیکھا جائے

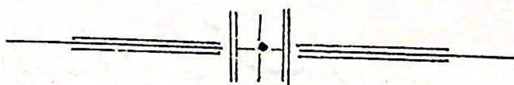
اِس دُنیا اِس دُکھ ساگر میں ہر کوئی کشٹ اُٹھائے

اور اِس پر بھی بندہ تیری رحمت کے گُن گائے

کِتنا گھور انیائے

تجُھ بِن یہ انیائے ایشور

کِس سے دیکھا جائے



ایک شرابی دوست کے نام

مرے انکار نے کو زہد سے تعبیر کرتا ہے۔

مرے وجدان کی اے شخص کیوں تحقیر کرتا ہے

جو کوثر خلد میں دیتا ہو اپنے نیک بندوں کو

مری بادہ کشی سے اُس خُدا کو برہمی کیوں ہو

نہیں دِلبستگی کچھ مجھ کو مذہب کے فسانے سے
تعلق کیا بھلا اخلاق کا پینے پلانے سے
کبھی اوہام کا قائل مرا دِل ہو نہیں سکتا
میں ڈر کر حشر سے توبہ پہ مائل ہو نہیں سکتا
نہیں یہ بھی کہ مجھ کو عیش کے لمحوں سے نفرت ہو
بھلانا چاہتا ہوں میں بھی دِل سے تلخیٔ غم کو
جو ممکن ہو تو اِس درجہ نشے سے چوُر ہو جاؤں
کہ آلام جہاں کی دسترس سے دُور ہو جاؤں
مگر احساس کا دِل سے مٹا دینا نہیں ممکن
شدید آلام کو پی کر بھلا دینا نہیں ممکن

سرور افروز ہوتی ہے نشاط افزا بھی ہوتی ہے

شرابِ ناب داروئے غمِ بیجا بھی ہوتی ہے

مگر وہ غم سرائت کر چکا ہو جو رگ و پے میں

بھُلا دے اس کو دِل سے آہ یہ طاقت نہیں مے میں



قطعہ

دماغ و دل پہ جو خوف طاری ہے
کسے مجال شکایت زباں پہ لانے کی
ہمیں ہماری مصیبت کی داد دے سکتا
خدا بھی جھیلتا گر سختیاں زمانے کی

ایک غمزدہ دوست کے نام

ہم نفس میں شدتِ غم سے تری آگاہ ہُوں
داستانِ رنجِ پیہم سے تری آگاہ ہُوں
ہے مجھے احساس تیری کثرتِ آلام کا
حال ہے مجھ پر عیاں تیرے دلِ ناکام کا
مجھ سے پوشیدہ نہیں ہمدم ترا حالِ تباہ
اس حقیقت کی مری بے چین راتیں ہیں گواہ

تیرا غم بیجا نہیں اِس بات کا قائل ہُوں میں
میرے سینے میں بھی ہیں جذبات اہلِ دِل ہُوں میں

جانتا ہُوں تیری رُوداد الم جھُوٹی نہیں
کون آفت ہے جو خُود دِل پر مرے ٹُوٹی نہیں

مَیں سمجھتا ہُوں کہ رنجِ مفلسی کیا چیز ہے
خُوب واقف ہُوں کہ دِل کی بیکلی کیا چیز ہے

ہم نفس لیکن مجھے یارا نہیں فریاد کا
آہ یہ شیوہ نہیں میرے دلِ ناشاد کا

میرے ہونٹوں پر کبھی آہ و بکا آتی نہیں!
انتہائے غم میں بھی لب پر دُعا آتی نہیں

خوب واقف ہوں کہ فریاد و فغاں کا مُدعا

کچھ نہیں افزائشِ دردِ جگر کے ماسوا

آج تک دیکھا ہے آخر کس نے آہوں کا اثر

کب دُعائیں بن سکی ہیں چارۂ دردِ جگر

کِس نے دیکھا ہے فغاں سے آسماں جلتے ہُوئے

آہ سے اہلِ جفا کا آستاں جلتے ہُوئے

کب لیا فطرت نے مظلُوموں کا اب تک انتقام

کب دُعا نے گردشِ دوراں کی روکی ہے زمام

تُو سمجھتا ہے کہ تیرا گریۂ صُبح و مسا

رُخ بدل ڈالے گا سیلِ وقت کی رفتار کا

مضمحل سی آہ اور اس پر ہے تُجھ کو اِتنا ناز
قلب میں فطرت کے پیدا کر سکے گی یہ گداز

فطرتِ بے حِس کو احساس آشنا سمجھا ہے تو
سخت حیراں ہُوں کہ اے نادان کیا سمجھا ہے تو

ہم نفس کب تیرے عیش و غم سے وہ آگاہ ہے
اُس کو کیا لب پر ترے نغمات ہیں یا آہ ہے

موم ہو سکتا نہیں ہے آہ سے اس کا ضمیر
اس کی نظروں میں ترا سیلابِ گریہ ہے حقیر

رحم تُجھ پر کر نہیں سکتی کہ بے احساس ہے
کب تری محرومیٔ قسمت کا اس کو پاس ہے

اور وہ موہوم سی شے یعنی وہ مبہم سی ذات

جس کا مذہب نے لقب رکھا ہے رُوحِ کائنات

وہ زمینوں کا خُدا وہ خالقِ عرشِ بریں

جس کی صُورت آدمی نے آج تک دیکھی نہیں

وہ خُدا قبضے میں میزاں جس کے ہے اِنصاف کا

جو گُناہوں کی سزا دیتا ہے نیکی کی جزا

جو دُعا پر بخشش دیتا ہے گُناہِ بے شمار

قہر جس کا کُفر کے سینے کو کرتا ہے فگار

اس کا گو دینی کتابوں میں بڑا مذکور ہے

شکل اس کی چشمِ بینا سے مگر مستور ہے

وہ مدد سے دُوربیں کی بھی نظر آتا نہیں

علمِ انسانی نشاں اس کا کہیں پاتا نہیں

ماورائے ادراک سے مجموعۂ اضداد ہے

اِک فسانہ ہے سراسر وہم کی ایجاد ہے

واہمہ ہے واہمے کے ماسوا کچھ بھی نہیں

ایک دھوکا ہے تصوّر کا خُدا کچھ بھی نہیں

گر کوئی تیرا خُدا ہے پُوچھ یہ اس سے سوال

سچ بتا اے قادرِ مطلق خدائے ذوالجلال

گر قوی ہاتھوں میں ہے تیرے زمامِ کائنات

کس لئے ناقص ہے اس درجہ نظامِ کائنات

جز ترے احکام کے پتہ بھی گر ہلتا نہیں

کیوں یہاں خوش انتظامی کا نشاں ملتا نہیں

"بجلیاں ہیں، زلزلے ہیں، قحط ہیں، آلام ہیں"

کیا تری بندہ نوازی کے یہی انعام ہیں

ابنِ آدم وہ تری صفت گری کا شاہکار

ہو رہا ہے کیوں دوامی نامرادی کا شکار

کیوں مُصیبت اس کی تیرے دِل کو برماتی نہیں

کیوں تری شانِ کریمی کو حیا آتی نہیں

کِس لئے حاصل ہے دُنیا میں انہی کو اقتدار

جھوٹ مکاّری دغا بازی پہ ہے جن کا مدار

کیوں غلامی میں ہیں اہلِ زر کی ارباب ہنر

علم سجدہ ریز ہے کیوں آستانِ جہل پر

بات کیا ہے روزِ اول سے ہے تو سفلہ نواز

رحمتوں کو ہے تری اہلِ خرد سے احتراز

تیرے نائب اہلِ دل پر حشر ڈھاتے ہی رہے

اپنی روحانی کراماتیں دکھاتے ہی رہے

اہلِ دل اور اس طرح قعرِ مصیبت میں غریق

مرحبا صد مرحبا اے دردمندوں کے شفیق

اے ہنر دشمن بتا کیا اس میں آخر راز ہے

کیوں جہاں میں احمقوں کا مرتبہ ممتاز ہے

جو خُدا جائز سمجھ سکتا ہے اِس بیداد کو
لائے گا خاطر میں کب ہمدم تری فریاد کو
گڑگڑا کر روبرو اُس کے دُعا اصلا نہ کر
اپنی خودداری کو پیارے مُفت میں رُسوا نہ کر
اعترافِ ناتمامی ہے دُعا کچھ بھی نہیں
یہ سزا کچھ بھی نہیں ہے یہ جزا کچھ بھی نہیں



دعوتِ فکر

ہر دِل وفورِ درد سے ہے بے قرار دیکھ
ہر آنکھ فرطِ غم سے ہے خونبابہ بار دیکھ
ہاں اِس میں نیک و بد کی نہیں ہے کوئی تمیز
ہر شخص ہے ہلاکِ غمِ روزگار دیکھ
اِنساں کہ کُشتۂ ستم بے حساب ہے
ہے شاہکارِ صنعتِ پروردگار دیکھ

فکرِ جہاں کے ساتھ جہنم کا خوف بھی
کن آفتوں میں ہے دلِ ناکردہ کار دیکھ

ان میں خزاں کا رنگ بھی شامل ضرور ہے
گہری نظر سے نقش و نگارِ بہار دیکھ

تخریب ہے اصولِ جہانِ خراب کا
ہر ذرّہ ہے فساد کا آئینہ دار دیکھ

للّٰلہ تجھ کو دیدۂ بینا کا واسطہ
مرے مدّعیٔ رحمتِ پروردگار دیکھ



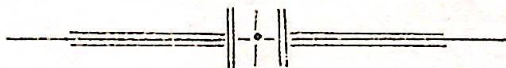
ساقی

مجھے تسلیم اعجازِ مئے گلفام ہے ساقی
مگر یہ کب علاجِ گردشِ ایام ہے ساقی
شرابِ تُند بھی جس کا مداوا کر نہیں سکتی
کچھ ایسی آدمی پر یورشِ آلام ہے ساقی

مرے انکارِ مے میں دخل ہے خوفِ جہنم کو
یہ تیری بدگمانی ہے خیالِ خام ہے ساقی
جنابِ شیخ کی ہیبت مرے دِل پر بھی طاری ہے
مری بیباک فطرت پر یہ اِک الزام ہے ساقی
مجھے پروا نہیں ہے برہمیؔ اہلِ مذہب کی!
کہ مدّت سے مرا دِل خوگرِ دشنام ہے ساقی
میں شاعر ہوں مجھے پینے سے نفرت ہو نہیں سکتی
کہ یہ تو پیرویؔ سنتِ خیّام ہے ساقی
مرا ماحول دشمن ہے مگر کیف اور مستی کا
کہاں اس بات میں گنجائش ابہام ہے ساقی

مرے ہر سمت شورِ نالہ و فریاد و شیون ہے

مرے ہر سمت برپا بھُوک سے کہرام ہے ساقی



کتبہٗ

تاج الدین زرّیں رقم لاہور

لوہاری گیٹ

سردار جیون سنگھ ایم۔اے نے امرت الیکٹرک پریس ریلوے روڈ۔ لاہور میں باہتمام
پنڈت دھرم چند بھارگو بی۔ایس سی چھپوا کر شائع کیا۔

۱۱۲